ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

تعدّدِ ازدواج

ازدواجی زندگی کے متعلق قرآنی اور اسلامی زاویۂ نگاہ جنوری سنہ ۱۹۵۵ء کے شمارے میں مولانا شاہ محمد جعفر (پھلواری) عمدگی سے پیش کر چکے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک اس مسئلے کے متعلق مزید بحث و نظر اور توضیح کی ضرورت ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس کو سوال و جواب کی صورت میں پیش کیا جائے۔

سوال: قرآن کریم کی تعلیم اس مسئلے کے متعلق کیا ہے؟

جواب: کتابِ حکیم میں تعددِ ازدواج کے بارے میں دو تین آیات سے زیادہ نہیں ملتیں۔ چار تک نکاح کرنے کی اجازت ایک مخصوص صورتِ حال اور ایک مخصوص سماجی ابتری کے علاج کے طور پر پائی جاتی ہے۔ شروع میں رسولِ کریم اور ان کے جاں نثار پیرووں اور صحابیوں کو دین کی حفاظت اور رفعِ فتنہ کے لیے جنگیں کرنی پڑیں۔ مسلمان مجاہدین تعداد میں کم تھے اور مخالفین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ان جنگوں میں مسلمان مرد کثیر تعداد میں شہید ہوئے۔ بے کس اور بے بس بیوگان کی تعداد اس ابتدائی معاشرے کا ایک اہم اور حل طلب مسئلہ بن گیا۔ قرآن کریم میں تعددِ ازدواج کی اجازت اسی مسئلے کے حل کے لئے دی گئی:

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع
فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنیٰ الا تعولوا ۝

اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں تمہیں جو پسند آئیں ان سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ ہاں اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم عدل (بین النساء) نہ کر سکو گے تو بس ایک ہی بیوی ہو، یا باندی ہو۔ یہ تمہیں ناانصافی سے بچانے کا قریب ترین راستہ ہے۔

اس آیت کی رو سے یہ اجازت کوئی علی الاطلاق اجازت نہیں۔ قرآن کے مدنظر عدل اور رحم ہے اس لئے صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ اس اجازت کا ناجائز استعمال نہیں ہونا چاہیئے، یہ اجازت عدل کی خاطر ہے اور اگر عدل میں خلل آتا ہو تو پھر ایک ہی بیوی ہونی چاہیئے۔ قرآن انسان کی جبلت اور اس کی نفسیات سے بے خبر نہیں، اس لئے یہ بھی واضح کر دیا کہ عدل کامل نہایت دشوار چیز ہے، مال کی تقسیم یعنی ایک سے زیادہ بیویوں کی مادی ضروریات میں عدل لازمی ہے اور ایک انصاف پسند انسان یہ کر بھی سکتا ہے لیکن روابطِ قلبی میں مساوات انسانی اختیار سے باہر ہے لہٰذا خبردار رہو اور ایسا نہ ہونے پائے کہ طبیعت کا سب جھکاؤ ایک ہی طرف ہو جائے اور دوسری بیوی محروم و معلق رہ جائے۔

... فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ

لہذا تم ایک طرف اتنے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو معلق چھوڑ دو۔

سوال: کیا اسلام اجازت دیتا ہے کہ ایک اچھی بھلی صاحب اولاد بیوی کے ہوتے ہوئے کوئی شخص محض اپنی مالی استطاعت کی وجہ سے دوسرا یا تیسرا یا چوتھا نکاح کرلے؟

جواب: اگر کوئی شخص بغیر کسی شدید مجبوری یا ضرورت کے محض اپنے نفس و بدن کی تسکین و تفریح کے لئے ایسا کرتا ہے تو وہ اخلاقاً ایک ناجائز بات کرتا ہے۔

رسولِ کریمؐ کے اسوہ حسنہ کو لوگ علی الاطلاق تعددِ ازدواج کے جواز میں تو پیش کر دیتے ہیں۔ لیکن اسوہ حسنہ کے اس قابلِ توصیف و تقلید پہلو کو نہیں دیکھتے کہ رسول کریمؐ کی طویل عائلی زندگی فقط ایک نیک محسنِ اسلام اور قدر شناس بیوی کے ساتھ بسر ہوئی جو عمر میں شوہر سے قریباً پندرہ سال بڑی تھیں۔ رسول کریمؐ کی تمام اولاد میں باستثنائے واحد سب اسی ایک بیوی کے بطن سے ہوئی۔ یہ یقینی بات ہے کہ اگر وہ رسول کریمؐ کی وفات تک زندہ رہتیں تو رسول کریمؐ اہم معاشرتی اور سیاسی ضرورتوں کے باوجود اسی ایک محترم زوجہ پر قناعت فرماتے۔

سوال: رسولِ کریمؐ کو امیرِ مملکت ہونے کے بعد متعدد نکاحوں کی کیوں ضرورت پیش آئی؟

جواب: ان نکاحوں پر ایک ایک کر کے نظر ڈالئے، ان میں سے کوئی بھی خواہشِ نفس کی شادی نہیں اگر خواہشِ نفس کا اس میں ذرہ بھر بھی دخل ہوتا تو منتخب خوشرو جوان، دوشیزگان کا ایک حرم جمع ہو جاتا، جیسا کہ بعد میں مسلمان سلاطین نے کیا۔ رسول کریمؐ کی تندرستی اور غیر معمولی قوت وصحت آخر تک قائم تھی۔ ذرا اس پر غور فرمائیے کہ ایک معمر بیوی سے اتنی اولادیں ہوئیں اور بعد کی دس بارہ امہات المومنین میں سے کوئی اولاد نہیں کیا اس سے صاف نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ سب نکاح معاشرتی مجبوریوں کی بدولت تھے، اور رسولِ کریمؐ اصلی عائلی زندگی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ختم کر چکے تھے۔

یہ بات کہ ایک اچھی معقول دیندار صاحبِ اولاد بیوی کے ہوتے ہوئے مردِ مومن کو نکاحِ ثانی کی نہیں سوجھنی چاہیئے اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی موجودگی میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے دوسرا نکاح کرنا چاہا تو رسولِ کریمؐ اس پر بہت برافروختہ ہوئے۔ کسی کا یہ گمان کرنا کہ یہ اپنی بیٹی پر سوکن لانے کا معاملہ تھا۔ اس رسولؐ کے متعلق ناقابلِ عفو بدگمانی ہے جس کے دل میں اوامر و نواہی کے بارے میں شخصی جذبہ اور ذاتی مفاد مفقود تھا۔

سوال: کیا رسولِ کریمؐ کے سامنے ایک سے زیادہ نکاح نہیں کئے گئے اگر اس وقت مسلمانوں کو نہیں روکا گیا تو اب کیوں روکا جائے؟

جواب: اس کا جواب وہی ہے کہ ایک قلیل جماعت کو ایک طرف یتامیٰ اور بیوگان کو اپنی پناہ میں لینے کا سوال تھا، اور دوسری طرف اس ملت کی تعداد کو بڑھانا لازمی تھا جسے مسلسل جہاد میں مبتلا رہنا تھا۔ ایسی حالت میں ایسی قوم اگر تعددِ ازدواج سے اپنی تعداد کو نہ بڑھائے تو وہ دنیا میں اپنا مشن پورا نہیں کر سکتی۔ تناکحوا تکاثروا (نکاح کرو اور اپنی تعداد بڑھاؤ)۔ اسی اہم ضرورت کے پیش نظر ایک اچھی ضرورت اور اچھا مشورہ تھا۔ نیا مشن لے کر اٹھنے والوں کو محض قلتِ تعداد کی وجہ سے فنا

قوتیں مغلوب کر لیتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کی اصلی تعلیم اور رسول اللہؐ کا اسوہ حسنہ سامنے موجود ہونے کی وجہ سے کوئی شخص بیویوں کے معاملے میں غیر عادل ہونے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

سوال: آبادی کے معاملے میں پاکستان کی موجودہ صورتِ حال کیا ہے؟

جواب: پاکستان کے پاس زمین کے دو خطے ہیں۔ مشرقی پاکستان کا خطہ رقبے میں بہت کم ہے اور اس تھوڑی سی زمین میں جو دریاؤں اور جھیلوں کی زد سے بچ گئی ہے، کوئی چار کروڑ انسان جمع ہو گئے ہیں۔ جن کے لئے معمولی خوراک اور تن ڈھانکنے کا مسئلہ بھی حل کرنا دشوار ہے چہ جائیکہ تعلیم و تہذیب و تمدن کے دوسرے تقاضے جو حقیقت میں انسانیت کے لازمی تقاضے ہیں پورے ہو سکیں۔ مغربی پاکستان میں رقبہ بہت زیادہ ہے لیکن سب سے بڑا حصہ یعنی بلوچستان پانچ لاکھ انسانوں کے لئے بھی ادنٰے سامانِ حیات مہیا نہیں کر سکتا۔ اس خطے میں کوئی ساڑھے تین کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ ایک سال فصل خراب ہونے سے غیر مسلم اقوام کے آگے محض روٹی اور قوتِ لایموت کے لئے دستِ سوال دراز کرنا پڑتا ہے جو کسی غیرت مند قوم کے لئے نہایت شرمناک بات معلوم ہوتی ہے۔ پورے پاکستان میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں کم ہے جس کے معنی ہیں کہ ایک عورت بھی ایک مرد کے حصے میں نہیں آتی۔ پاکستان جیسے ملکوں کی شدید ضرورت یہ ہے کہ آبادی کی افزونی کو کم کیا جائے اس وقت یہاں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں، کہ اس مقصد کے لئے کیا جائز اور معقول طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں بہرحال پاکستان کی حالت وہ نہیں ہے جو ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی حالت تھی، اسلئے ابتداء میں ازدواج کے معاملے میں جو جواز یا اجازتیں یا ضرورتیں تھیں اور ان کے پیشِ نظر جو طریقِ عمل اختیار کیا گیا تھا وہ موجودہ حالت پر قابلِ اطلاق نہیں ہے۔

سوال: از روئے اسلام عائلی زندگی کی کونسی صورت حیاتِ انسانی کے اقدار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قابلِ ترجیح ہوگی۔ شوہر ایک زوجہ اور انکی اولاد یا ایک سے زیادہ بیویوں والا گھرانا۔

جواب: فیملی لائف میں سکون و تسکین کا مدار کچھ عدل پر ہے اور کچھ باہمی محبت پر۔ عدل کی نسبت قرآن کریم کا فتویٰ ہے کہ کوشش کے باوجود بھی تعدد ازدواج میں اس فضیلت پر عمل کرنا نہایت درجہ دشوار ہے۔ باقی رہی محبت تو اس کے اندر رقابت کا جذبہ فطرتِ انسانی کا لازمہ معلوم ہوتا ہے۔ حیات انسانی کا وسیع تجربہ اس کا شاہد ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں باہم رقیب بلکہ دشمن ہو جاتی ہیں ان میں سے کوئی بیوی بھی پوری طرح شوہر کے ساتھ جذبۂ وفا نہیں رکھتی۔ سوکن کا جلاپا اور سلگاپا مشہور ہے شوہر کی زندگی ہی میں دو یا زائد بیویوں کی اولاد میں باہمی محبت نہیں ہوتی، اگر دشمنی تک نوبت نہ پہنچے تاہم بیگانگی ضرور ہوتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر رشک و حسد کی آگ بھڑکتی یا سلگتی ہے۔ یہ نصیحت کہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے عملاً کچھ معنی نہیں رکھتی۔ اگر شوہر کوئی جائداد چھوڑ جائے، تو تقسیم جائداد کا جھگڑا دو یا تین بیویوں اور ان کی اولادوں کو عدالت کے کٹہرے پر لے جا کر کھڑا کرتا ہے۔ یہ قصے روزانہ عدالتوں میں پیش آتے ہیں اور وہاں خوب زہر اگلا اور جھوٹ بولا جاتا ہے۔ عدالت کا فیصلہ اگر عادلانہ بھی ہو تو بھی اس سے خصومت ختم نہیں ہوتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ فطرت نے ایک میاں اور ایک بیوی اور ان کی اولاد پر مشتمل ایک وحدت

بنائی ہے۔ اس وحدت میں شرکت ایسا ہی فساد پیدا کرتی ہے، جیسا توحید کے معاملے میں شرک۔

یہاں مجھے اپنے ایک بزرگ سے سنا ہوا ایک واقعہ یاد آگیا۔ یہ بزرگ تمام شہر لاہور میں نہایت درجہ ذہین اور باخبر انسان شمار ہوتے تھے۔ اُنھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ لاہور میں ایک صاحب ثروت سادات کے گھرانے میں سے زیور چوری ہوگیا۔ کوتوال شہر نے بہت تحقیقات کی لیکن چور کا کہیں پتا نہ چل سکتا تھا۔ یہ گھر چاروں طرف سے محفوظ تھا اور پردے کی شدید پابندی کی وجہ سے کسی مرد ملازم کا اندر آنا جانا نہ تھا۔ آخر کوتوال نے اس بزرگ عاقل سے کہا کہ اس معاملے میں کھوج نکالنے کے لئے آپ کچھ اپنی عقل لگائیے۔ مرد عاقل نے سب قصہ سنا تو وہ بھی اس نتیجے پر پہنچے، کہ باہر سے کسی چور کا اس گھر میں داخل ہو کر زنانہ کمرے کے صندوق میں سے زیور نکال کر لے جانا اور وہ بھی اس طرح کہ گھر میں کسی کو آہٹ بھی سنائی نہ دے محال معلوم ہوتا ہے۔ اس پر یک بیک ان کا ذہن ایک دوسری جانب منتقل ہوا اور پوچھا کہ سید صاحب کی ایک بیوی ہے یا دو ہیں؟ کوتوال نے کہا کہ دو ہیں اور دونو اسی گھر کے دو حصّوں میں رہتی ہیں، اس پر بزرگ نے کہا کہ چلو اس مکان پر مجھے اپنے ہمراہ لے چلو۔ وہاں پہنچتے ہی یہ کہا کہ مستورات کو کہیں ایک طرف کر دو، میں سارے گھر میں پھر کر دیکھنا چاہتا ہوں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے بعد کہا کہ مجھے ایک موٹا سا ڈنڈا چاہیئے۔ کوتوال صاحب مسکرائے کہ کیوں صاحب کسی کی ہڈیاں توڑنے کا ارادہ ہے انہیں نے کہا کہ نہیں کچھ اور مقصد ہے جس تک پولیس والوں کی عقل کی رسائی نہیں، چنانچہ ایک موٹا سا ڈنڈا مہیا کیا گیا اور یہ بزرگ کوتوال صاحب کو ہمراہ لے کر اندر چلے، ہر کمرے کے فرش اور دیواروں کو زور سے ٹھکرانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک دیوار سے کچھ کھوکھلی سی آواز نکلی۔ کہا کہ کسی کو بلاؤ کہ تیشے سے دیوار کے اس حصّے کو اکھاڑ دے جب ایسا کیا گیا تو تمام زیور ایک صندوقچی میں رکھا ہوا اس میں سے برآمد ہوا۔ کوتوال صاحب ششدر رہ گئے اور پوچھا کہ یہ علم غیب آپ کو کہاں سے حاصل ہوا اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ علم غیب نہیں بلکہ عقلِ حاضر ہے اور انسانی زندگی کا تجربہ ہے کوتوال صاحب نے کہا کہ کچھ مزید تشریح کیجیے کہ ہم بھی اس فراست سے فیضیاب ہوں۔ چنانچہ اس بزرگ نے کہا کہ جب مجھے آپ سے یہ علم ہوا کہ گھر میں چور کا دخل محال ہے اور بیویاں دو ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ دو بیویاں مال کے معاملے میں کبھی شوہر کی وفادار نہیں ہوتیں اور ہر ایک یہ چاہتی ہے کہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے اس سے جو کچھ حاصل ہو سکے کر لیا جائے۔ میں سمجھ گیا کہ جس بیوی کا زیور چرایا گیا ہے اس کی چور وہ خود ہی ہے اور زیور اس لئے چھپایا ہے کہ شوہر مجبور ہو کر اتنا زیور اس کے لئے دوبارہ مہیا کرے۔ چونکہ شدید پردہ دار عورت ہے اس نے ضرور گھر کے اندر ہی چھپایا ہوگا اور گھر کے اندر چھپانے کی قدیم ترکیب دیوار میں خلا کر کے مال چھپانا ہے۔ کوتوال نے کہا کہ حضرت ہم تو یونہی کوتوال بنے بیٹھے ہیں حقیقت میں کوتوال شہر تو آپ کو ہونا چاہیئے۔ یہ کوئی افسانہ نہیں بلکہ ایک واقعہ ہے اور یہ بزرگ میرے خاندان کے ایک مشہور صاحب فراست شخص تھے اور اُنھوں نے خود یہ واقعہ مجھ سے

بیان کیا۔ غرضیکہ ایک سے زیادہ بیویوں کا گھرانا فساد کا ایک سرچشمہ ہوتا ہے۔ عام طور پر اخلاقِ حسنہ اس میں سوخت ہو جاتے ہیں ادنےٰ جذبات اُبھر پڑتے ہیں۔ عدل و انصاف معدوم، رحم اور محبت مفقود ہر وقت طعن و تشنیع سازش کا بازار گرم ہر ایک کا ناک میں دم۔ زندگی میں بھی فساد اور مرنے کے بعد بھی فساد۔

سوال: اگر آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اور تعددِ ازدواج میں انسان کی فطرت کا یہ بھونڈا نقشہ ہے تو جہاں اسلام نے اور خراب رسوم و شعائر کی بیخ کنی کی وہاں اسے بھی یک قلم ممنوع کیوں نہ قرار دیا کسی حالت میں کسی شخص کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہیں یہ طرزِ بیان کیوں اختیار کیا کہ ایک سے زائد بیویاں کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ عدل کو ملحوظ خاطر رکھو، اگرچہ عدل اس معاملے میں بے حد دشوار چیز ہے۔

جواب: یہ صدفی صد درست ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اسی لئے مخصوص اور مستثنےٰ حالات کے لئے گنجائش چھوڑ دی ہے۔ بعض اوقات جائز طور پر حالات ایسے پیدا ہو سکتے ہیں کہ چارۂ کار یہی ہو کہ ایک شخص دوسرا یا تیسرا نکاح کر سکے! اسلام کی تعلیم کسی ایک سوسائٹی کے لئے نہیں۔ جنگلی اور صحرائی قبائل سے لے کر نہایت ترقی یافتہ تمدن تک کی اقوام طلوعِ اسلام سے لیکر آج تک اسلام قبول کرتی چلی آئی ہیں۔ پھر ان اقوام کو مختلف ادوار میں ہر قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے اگر اسلام کے قوانین میں کوئی لچک نہ ہوتی، تو وہ مختلف زمانوں میں مختلف حالات اور مختلف مزاجوں کی اقوام پر حاوی نہ ہو سکتا۔ نہایت ترقی یافتہ اور مہذب اقوام کے افراد کی زندگی میں بھی ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں کہ ان کی مشکل کو نکاحِ ثانی ہی حل کر سکے اور اگر نکاحِ ثانی کو ممنوع قرار دیا جائے تو اس سے جو خرابیاں پیدا ہوں گی وہ اس سے بہت زیادہ جانگداز اور روح فرسا ہوں گی جو نکاحِ ثانی میں پیش آسکتی ہیں۔ پہلی جنگِ عظیم سے قبل جرمنی کی تہذیب اور اس کا تمدن اس کے علوم اور اس کے فنون درجۂ کمال کو پہنچ چکے تھے۔ خوفناک جنگ اور پھر شکست نے تہذیب و تمدن کا سب سانچا بگاڑ دیا اور اس متمدن قوم نے ہٹلر جیسے متعصب مجنون اور بر خود غلط انسان کو اپنا رہبر اور نجات دہندہ تسلیم کر لیا، لیکن انسانی زندگی کی پیچیدگیاں کچھ ایسی ہیں کہ یہ مجنوں بھی بعض اوقات ٹھکانے کی بات کہہ جاتا تھا، پہلی جنگِ عظیم کے اختتام کے کچھ عرصہ بعد اس نے اپنی قوم کو انتقام کے لئے ابھارنا شروع کیا۔ اس وقت کی المانوی حکومت نے اس کو قید کر دیا۔ اسی زمانہ میں اس نے اپنی کتاب "مائن کیمف" میری پکار لکھی اس میں وہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ "جرمنوں کے نسلی اسلاف میں تعددِ ازدواج کا رواج تھا اور وہ ان کے حالات میں بہت ٹھیک تھا اب بھی اس جنگ کے بعد اس قوم کے ایسے حالات ہو گئے ہیں کہ تعددِ ازدواج کو جائز قرار دینا پڑیگا، یا کم از کم یہ کرنا پڑیگا کہ بے نکاحی اولاد کے ماتھے پر سے حرامی ہونے کا کلنک کا ٹیکا مٹا دیا جائے جو بچہ اس قوم میں پیدا ہو وہ حلال ہی کا شمار کیا جائے۔ راقم الحروف بھی اس زمانے میں کوئی تین سال تک فلسفے کی اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی میں رہا۔ میں جس گھر میں رہتا تھا اس کی مالکہ ایک نہایت شریف النفس، مہذب اور تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ اور مذہبی مسائل پر بھی آزادی

سے سوچنے کی عادی تھیں۔ ایک روز اس گھر میں مسلمانوں کے تعددِ ازدواج پر گفتگو ہوئی۔ میں نے اس خاتون سے کہا کہ میں نے جو تمہارے معاشرے کا حال دیکھا ہے اس کے مدِ نظر میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ ان عورتوں کی جو سڑکوں پر اور مکانوں میں عصمت فروشی کرتی پھرتی ہیں، کیا تعداد نہ ہو گی۔ اس نے کہا کہ لاکھوں کی تعداد میں ایسی عورتیں ہیں اور وہ ایسی ہیں جن کو کوئی شوہر نصیب نہیں ہو سکتا۔ میں نے پوچھا کہ اگر ان کو بعض لوگ دوسری بیوی بنا کر ان کے نان و نفقہ کا ذمہ لے لیں اور ان کی اولاد حرامی ہونے سے بچ جائے اور معاشرے میں ان کو ایک معزز مقام مل جائے اگرچہ وہ حیثیت ہر سے ایسا طمانیت بخش نہ ہو جو ایک میاں اور ایک بیوی کی حالت میں ہوتا ہے تو تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہو گی اس خاتون نے جواب دیا کہ دوسری جائز بیوی بن کر ان کی حالت ان کی موجودہ کس مپرسی اور بد اخلاقی سے بدرجہا افضل ہو گی۔ میں نے عرض کیا کہ ایسی ہی صورتوں کے لئے اسلام نے اپنے قانون میں گنجائش رکھی تھی۔ تمہاری مغربی اقوام کو یک زوجگی کے غلط کلیسائی قانون نے بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ مغرب کے ہر ملک میں حرامی بچوں کے اعداد و شمار شائع ہوتے رہتے ہیں۔ امریکہ میں بھی یہی حال ہے۔ امریکہ کے خطاباتی دورے میں مجھ سے اکثر تعددِ ازدواج کی بابت دریافت کیا گیا۔ میں نے جواب دیا کہ جس اسلامی ملک سے میں آیا ہوں سو میں ایک گھرانا مشکل سے ایسا ہو گا جس میں دو بیویاں ہوں لیکن اس اجازت کی وجہ سے ہماری قوم ایک بڑی آفت سے بچ گئی ہے۔ یہاں سوسائٹی میں حرامی بچے لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد تو کیا سینکڑوں کی تعداد میں بھی نہیں ملتے۔ لاکھ دو لاکھ کے شہر میں اگر دو چار ایسے ہوتے ہیں انھیں انوکھا سمجھ کر تمام شہر میں ان کا چرچا ہوتا ہے۔ اسلام نے خاص حالت میں نکاحِ ثانی کی اجازت دے کر معصوم بچوں پر کس قدر احسان کیا ہے کہ ان کو حرامی ہونے کی تہمت سے بچا لیا ہے۔

سوال: کون سے موجبات یا محرکات ایسے ہو سکتے ہیں جو نکاحِ ثانی کے لئے جائز شمار ہو سکیں؟

جواب: مثلاً ایک شخص اولاد کا خواہشمند ہے جو ایک فطری اور قابلِ احترام جذبہ ہے اور یہ بات طبی معائنہ سے ثابت ہو جائے کہ اس کی بیوی کے ہاں اولاد نہیں ہو سکتی یا اس کی بیوی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے وہ حقوقِ زوجیت یا امومت ادا نہیں کر سکتی۔

سوال: اگر جسمانی لحاظ سے کوئی عیب یا نقص نہ ہو لیکن مزاجوں اور طبیعتوں میں ایسا اختلاف ہو کہ زندگی بے لطف ہو جائے تو کیا ایسی حالت میں مرد کو کوئی رکاوٹ ہونی چاہیئے کہ وہ کوئی دوسری من پسند بیوی تلاش کرلے؟

جواب: ایسی حالت میں پہلی بیوی کو طلاق دینے کا اسے حق حاصل ہے لیکن اگر شوہر طلاق نہ دینا چاہیئے اور بیوی طلاق نہ لینا چاہے تو اس صورت میں پہلی بیوی کا معقول اور مناسب نان نفقہ اور اس کے بچوں کی پرورش کا شوہر ذمہ دار رہیگا لیکن دوسری کو پسند کر کے پہلی بیوی کو معلق اور بے بس رکھنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

سوال: کیا کسی ایسے شخص کو جو کسی نامعقول وجہ سے محض خواہش نفس یا ذوقِ تنوع سے دوسری شادی کرنے پر آمادہ

ہو، اسلامی شریعت روک نہیں سکتی ؟

جواب: ہاں از روئے شرع یا بذریعۂ عدالت اسے روک نہیں سکتے لیکن اس کو پہلی بیوی اور اس کی اولاد کے ساتھ عدل کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے ۔

سوال: کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ عام طور پر دوسری شادی کرنے والے پہلی بیوی اور بچوں کے ساتھ عادلانہ سلوک نہیں کرتے اس لئے کیا ایک اسلامی مملکت میں یہ جائز بلکہ لازمی نہیں ہونا چاہیئے کہ دوسری شادی کرنے والا عدالت میں درخواست دے اور عدالت میں اس کی پہلی بیوی اور بچے بھی بلوائے جائیں، ان کی شکایات اور تقاضے بھی سنے جائیں سب کچھ کہنے سننے کے بعد اگر ایک شوہر دوسری شادی کے ارادہ سے باز نہ آئے تو عدالت پہلی بیوی اور بچوں کے گزارے کا معقول انتظام کرائے ۔ اور حکم صادر کرے کہ اپنی آمدنی میں سے تمہیں اس قدر ان کو دینا پڑے گا۔ اور ادا نہ کرنے پر تمہارے خلاف عدالت میں چارہ جوئی ہو سکے گی ؟

جواب: ہاں چونکہ عام طور پر نکاح ثانی کرنے والے اکثر مرد خود اپنے ایمان اور ضمیر سے عدل کو قائم نہیں رکھتے اس لئے اس معاملے میں عدالت کی وساطت اس عدل کے لئے لازمی ہے جو نکاح ثانی میں ایک اسلامی فریضہ ہے ۔

سوال: کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ایسے مسلمان مردوں کی جو نکاح ثانی کرنا چاہتے ہیں عام ایمانی اور اخلاقی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اگر ان کو عدالت میں پیش ہونے پر مجبور کیا جائے اور قانوناً ان کی آمدنی کی عادلانہ تقسیم عدالت کی وساطت سے ہوتی نظر آئے تو وہ آسان راستہ اختیار کریں اور پہلی بیوی کو طلاق ہی دے دیں یہ جُوا ہی کندھوں سے اٹھا کر پھینک دیں ۔ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری ۔ مسلمان مرد کو طلاق دینے سے کون روک سکتا ہے ۔ ایسی حالت میں عورت کے لئے دونوں صورتوں میں گھاٹا ہی گھاٹا ہے ۔ اگر وہ اسے عدل پر مجبور کرتی ہے تو خاوند طلاق دے دیتا ہے طلاق کی صورت میں بیچاری عورت کی بیکسی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے ۔ اس کے مقابلے میں کیا وہ بہتر نہیں سمجھے گی کہ عدالت کی وساطت کے بغیر اگر غیر عادلانہ گزارا ہی ملتا رہے تو غنیمت ہے ۔ تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ مرد اگر ظلم پر آمادہ ہو تو موجودہ صورت میں عورت کے لئے کوئی راہِ نجات نہیں ۔ عورتوں کی یہ بے بسی اور بے کسی کیوں ہے کیا قدرت نے ان کو بے بس بنایا ہے یا انسانی معاشرے نے ان کی ایسی حالت کر دی ہے ؟

جواب: فطرت اور معاشرہ دونوں نے مل کر اس کی بے بسی میں اضافہ کر دیا ہے ۔

سوال: کیا اسلام نے اس صنفِ نازک کی کوئی حمایت نہیں کی اور اس کی فطری بے بسی کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی ؟

جواب: اسلام نے عورت کی حمایت میں اتنا کچھ کیا کہ بہت ترقی یافتہ اور مہذب ممالک نے بھی ابھی تک عورتوں کی اتنی حق شناسی نہیں کی ۔ اسلام سے قبل عورت مملوک تھی ۔ اسلام نے اس کو صاحبِ ملکیت بنا دیا ۔ وراثت میں اس کو حصہ دلوایا ۔ اس کو اپنے مال کا بلاشرکتِ شوہر مالک اور مختار بنایا ۔ نکاح کے وقت اس کو مہر کا حقدار بنایا لیکن عملاً کچھ فقہوں

نے اور کچھ عام مسلمانوں نے ان کے حقوق کو سوخت کر دیا، ان کو گھروں میں مجرموں اور قیدیوں کی طرح بند کر دیا، ان کی نقل و حرکت پر شدید قدغنیں لگائیں، ان کو زندگی کے تمام مشاغل اور کاروبار سے عملاً بے دخل کر دیا۔ اس ظلم میں انگریزوں کی قائم کردہ عدالتوں اور اینگلو محمڈن لا نے اور اضافہ کیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ نہ وہ وارثوں سے اپنا ورثہ لے سکے اور نہ ظالم شوہر سے چھٹکارا حاصل کر سکے، سوا اس کے کہ وہ دین اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہو جائے۔ چنانچہ بے شمار عورتیں اسی عذاب میں مبتلا ہوئیں۔ ایسی عدالتوں میں اگر کوئی غریب عورت چارہ جوئی کرنا چاہے تو برسوں میں اس کے قضیہ کا فیصلہ نہ ہو۔ بعض اسلامی ممالک میں عورتوں کے حقوق کے معاملے میں شرعی عدالتیں زیادہ سرعت سے اور زیادہ عدل سے کام لیتی ہیں۔ ازدواجی زندگی کے قضیئے دو ایک پیشیوں میں سطے ہو جاتے ہیں، بیوی اور بچوں کے نان و نفقہ کا قصہ ہو، یا طلاق و خلع کا معاملہ، چند روز کے اندر فیصلہ ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ حالت ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کا بھرکس نکل جاتا ہے۔ وکیلوں کی فیس اور عدالت کے خرچے ان کے مالی ذرائع کو دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں لیکن مہر اور خلع اور وراثت کا جھگڑا ایک قدم آگے نہیں سرکتا۔ آخر میں جو کچھ فیصلہ ہوتا ہے وہ بھی اسلامی شریعت کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ اینگلو محمڈن لا کے مطابق ہوتا ہے۔ جو فقہ کی ایک نہایت جامد شکل ہے۔ اس کی شدید ضرورت ہے کہ فقہی مسائل پر ایک غائر نظر ڈالی جائے اور روحِ اسلام کے مطابق ان کی نئی تشکیل کی جائے۔

مہر کا معاملہ ایک مضحکہ خیز فرضی قصہ بن گیا ہے۔ میاں کی جیب میں دمڑی نہیں، کہیں سے قرض لے کر شادی فرما رہے ہیں اور بیس پچیس پچاس ہزار مہر لکھ دیتے ہیں نہ کسی کا لینے کا ارادہ نہ دینے کا ارادہ، کاغذ پر نصف موجل اور نصف معجل لیکن حقیقت میں نہ ٹکا نقد نہ ادھار۔ ہاں اگر ناچاقی ہو جائے تو ایک لاطائل طویل مقدمہ بازی کی گنجائش نکل آتی ہے۔ اگر زوجہ کو حسبِ حیثیتِ شوہر معقول مہر نقد مل جائے اور وراثت کے معاملے میں بھی اس کی حق تلفی نہ ہو اور وہ اپنے مال سے کچھ منافع پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے علاوہ ہر عورت کچھ علم و ہنر سیکھے جو بوقتِ ضرورت اس کے کام آئے اور اس کی جائز آزادی پر ناجائز پابندیاں نہ لگائی جائیں تو صحیح اسلام کے حدود کے اندر رہی اس کی بے بسی بہت کچھ رفع ہو سکتی ہے لیکن موجودہ حالت میں نہ معاشرہ اس کی مدد کرتا ہے نہ جامد فقہ اس کی مدد کرتی ہے اور نہ عدالتیں اس کی داد رسی کرتی ہیں۔ طلاق کا سدِ باب کرنے کے لئے اسلام نے جو معاشرتی نفسیاتی اور اخلاقی ذرائع استعمال کرنے کی تلقین کی تھی اس کو برطرف کر کے اب اسلامی طلاق یہی رہ گئی ہے کہ شوہر صاحب بگڑے یا انھیں کوئی نیا شوق چرایا اور انھوں نے ایک دو تین کر کے بیوی کو بے یار و مددگار سڑک پہ ڈال دیا۔ ان تمام حرکتوں نے مسلمانوں کو ازدواج کے بارے میں ایسا بدنام کیا ہے کہ باہر کی دنیا میں کوئی یہ سننے اور باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا کہ اصلی نظام عورت کی حمایت کا ایک لاثانی نظام تھا۔

سوال: کیا یہ بات صحیح نہیں کہ اسلام کی تعلیم میں کچھ رجحانات اور میلانات تھے جو اُس وقت کے حجازی تمدن میں فقط

ایک حد تک پورے ہو سکتے تھے اور ان کی تکمیل، تہذیب و تمدن کے طویل ارتقا کے بعد ہی ہو سکتی تھی۔ مثلاً غلامی ہی کو لیجئے۔ اس دور میں اعلیٰ اور ادنیٰ تمام تمدنوں میں غلامی معاشی نظام کا ایک جزوِ لاینفک تھی۔ اس دور میں کوئی بڑے سے بڑا مصلح اور پیغمبر بھی کسی فوری فرمان سے اس کو منسوخ نہ کر سکتا تھا کیونکہ کوئی متبادل نظام فوراً اس وقت اس کی جگہ نہ لے سکتا تھا۔ چنانچہ اسلام نے اس تذلیل آدم کو بتدریج منسوخ کرنے کی راہیں سمجھائیں۔ اور جب تک کہ یہ کلیتہً منسوخ نہ ہو، تب تک عدل و رحم کی تلقین کرنے کے علاوہ شریعت میں بھی غلاموں کے اساسی انسانی حقوق کو محفوظ کرنے کے وہ وسائل بتائے جو اس وقت بھی قابلِ عمل ہو سکتے تھے۔ اصل مقصد اور نصب العین یہ تھا کہ یہ قبیح رسم رفتہ رفتہ مٹ جائے اور انسانی دنیا فقط احرار کی دنیا رہ جائے گویا غلاموں کو رکھنے کی اجازت ایک ہنگامی اجازت تھی جو بہت سی عادلانہ شرائط کے ساتھ مشروط کر دی گئی تھی۔ کیا اُس زمانے میں تعدد ازدواج کی اجازت کو اسی پر قیاس نہ کیا جائے جس طرح غلامی کا تمام دُنیا میں منسوخ کر دینا منشائے اسلام کے خلاف نہیں بلکہ عین اسکے تقاضوں کے مطابق ہے کیا قانوناً تعدد ازدواج کو ناجائز قرار دینا نصب العین کی طرف ایک اہم اقدام نہیں ہو سکتا ؟

جواب : آپ کا اندازِ نگاہ اسلام کے متعلق درست ہے لیکن غلامی اور تعددِ ازدواج میں ایک فرق ہے جس کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ غلامی کے مٹ جانے سے تمام نوع انسان کو ہر حالت میں فائدہ ہے۔ کیونکہ غلامی انسانیت کے ایک بنیادی حق حریت میں حائل تھی لیکن دوسری شادی کی اجازت بعض مخصوص حالات میں خود انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے باقی رہنی چاہیئے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اگر اس اجازت کو قانوناً روک دیا جائے تو کسی جائز ضرورت سے بھی دوسری شادی کرنے والا پہلی کو طلاق دینے پر مجبور ہو جائیگا خواہ وہ اس فراق کا آرزومند نہ ہو اور نہ ہی بیوی علیحدہ ہونے پر راضی۔ بعض حالتوں میں پہلی بیوی کو طلاق دینا اس کو بالکل بے سہارا چھوڑ دیگا۔ کیونکہ زیادہ تر پہلی بیویاں ایسی ہی ہونگی جو نہ دوسرا نکاح کر سکتی ہیں اور نہ آزادی سے کچھ روزگار پیدا کر سکتی ہیں۔ تمدن کے اعلےٰ اور ادنیٰ تمام مدارج میں کہیں کہیں نکاح ثانی کی اجازت کسی مشکل کا ایک جائز حل ہو سکتی ہے۔ ایک مثال اعلیٰ تمدن سے لیجئے اور ایک ادنےٰ تمدن سے۔ نپولین بونا پارٹ ایک غریب آدمی کا بیٹا اپنی غیر معمولی ہمت اور فراست سے تمام یورپ کا شہنشاہ ہو گیا۔ لیکن یورپ کے مغلوب شاہی خاندان اس کو نودولتی سمجھ کر دل میں اس سے نفرت کرتے تھے۔ اس کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اگر کسی شاہی گھرانے سے ازدواجی تعلق پیدا کرے تو یورپ کی ایک ہمہ گیر سیاست میں اس کو بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ وُہ اپنی پہلی بیوی سے محبت کرتا تھا اور اسے الگ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن کلیسائی عیسائیت بیک وقت دو بیویاں رکھنے میں مانع تھی۔ لازماً اس بیچاری کو طلاق دینا پڑی۔ اس کے سوانح میں لکھا ہے کہ طلاق کے وقت میاں اور بیوی دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یہ اعلیٰ تمدن میں ایک اہم سیاسی ضرورت کے شدید تقاضے کی مثال ہے۔ نپولین جیسے انسان کے ساتھ ساتھ رسول اکرمؐ کا ذکر زبان پر لانا سوءِ ادب معلوم ہوتا ہے لیکن ایک اہم مسئلے میں اظہارِ حقیقت کو روکنا بھی جائز نہیں چنانچہ اس امر کی

طرف اشارہ کرنا لازمی ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے بعض نکاح بھی خاندانوں اور قبائل کو متحد کرنے کے تقاضے سے عمل میں آئے۔ اس زمانے کے مزاج کے مطابق یہ بلند مقصد اسی انداز سے پورا ہو سکتا تھا۔

اب ایک مثال ادنےٰ ترین تمدن اور معاشرت سے لیجیے۔ افریقہ کے ایک مردم خور وحشی قبیلے میں ایک پادری نے عیسائیت کی تبلیغ کی۔ ایک مردم خور سردار کو عیسائیت پسند آگئی اور وہ باقاعدہ بپتسمہ لے کر عیسائی ہو گیا۔ اس کی بہت کچھ اخلاقی اصلاح ہو گئی اور کلیسا کے بہت سے شعائر میں وہ خلوص سے حصہ لینے لگا۔ عیسائیت کے لحاظ سے ایک خلل اس میں رہ گیا تھا جسے وہ آسانی سے رفع نہ کر سکتا تھا۔ پادری صاحب اس کو برابر کہتے رہتے کہ دو بیویوں کا رکھنا شدید گنہگاری ہے کیونکہ یہ زنا کے مرادف ہے۔ اس کو اپنی دونوں بیویاں پسند تھیں مگر ایک سے کسی قدر زیادہ لگاؤ تھا اور دوسری سے مقابلۃً کم۔ مبلغ کی مسلسل زجر و توبیخ کا آخر اس پر اثر ہوا، اور اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ با حسرت و یاس آخر ایک بیوی سے اپنا چھٹکارا کرائے۔ چنانچہ ایک روز اس نے پادری صاحب سے کہا کہ میں نے آخرکار آپ کی نصیحت پر عمل کر ہی لیا ہے اور اب فقط ایک ہی بیوی رکھی ہے۔ پادری نے پوچھا کہ دوسری کو کیا کیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کو کھا لیا ہے۔ اب دیکھئے کہ امتناع تعددِ ازدواج نے اس سے کیا ظلم کرایا۔ اس کی دبی ہوئی وحشت اور عادت پھر ابھر آئی۔ اگر عیسوی قانون انسان کی فطرت کے مطابق ہوتا اور تمام قسم کے حالات پر حاوی ہوتا جیسا کہ اسلامی قانون ہے تو اس ظلم کی ضرورت پیش نہ آتی غرض متمدن فرنگ کا شاہنشاہ اور فاتح نپولین ہو یا دور وحشت کا انسان سب کی زندگی میں ایسے حالات پیش آسکتے ہیں جہاں دوسری بیوی رکھنا مناسب اور مستحسن ہو اور پہلی بیوی پر ظلم نارواکی ضرورت پیش نہ آئے۔ ھذا اسلام اور انسانیت دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ مخصوص حالات کے لئے یہ اجازت باقی رہے۔ قرآن جو عدل پر بے حد زور دیتا ہے اور پھر یہ کہتا ہے کہ اس معاملے میں عدل نہایت ہی دشوار چیز ہے، لہٰذا عام حالات میں انسان ایک ہی پر قناعت کر لیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ عام حالات میں عام انسانوں کے لئے وحدتِ ازدواج ہی کو قرینِ عدل سمجھتا ہے محض لذتِ نفس کیلئے جو حقیقت میں تعددِ ازدواج سے حاصل نہیں ہوتی، کسی مسلمان کا پہلی بیوی اور پہلی اولاد کی زندگی میں خلل ڈالنا اسلام کے مقصد اور اس کے نصب العین کے منافی ہے۔

سوال: جو لوگ خواہ مخواہ دوسری شادی پر تُل جاتے ہیں کیا از روئے شرع ایسے لوگوں کو اس فعل کے ارتکاب سے روکا نہیں جا سکتا؟

جواب: محض قانون کے ذریعہ سے ایسے شخص کو روکنا لا حاصل ہوگا۔ البتہ شرعی عدالت پہلی بیوی اور اس کی اولاد کے ساتھ معاشی انصاف پر اس کو مجبور کر سکتی ہے۔

سوال: میں پھر اپنا پہلا سوال دہراتا ہوں کہ عدل سے گریز کا راستہ اگر وہ شخص یہ نکالے کہ پہلی کو طلاق دے دے تو طلاق سے تو اس کو عدالت نہیں روک سکتی۔ طلاق کے بعد پہلی بیوی کیا کرے گی۔ وہ معاشی وسائل سے مطلقاً محروم ہو جائیگی۔ وہ مہر تو حاصل کر سکتی ہے لیکن خالی مہر پر کتنے دن بسر کر سکتی ہے؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ محض قانون اور عدالتیں کسی انسان کو مومن اور عادل نہیں بنا سکتیں جب تک مسلمانوں میں حقیقی اسلام اور حقیقی ایمان نہیں ہوگا، ان کو ظلم نہ جہل سے ہٹانا ناممکن ہے۔

سوال: تو پھر آپ کا مطلب یہ ہے کہ اس بیماری کو لاعلاج سمجھ کر رفع مرض کے لئے کچھ نہ کیا جائے؟

جواب: نہیں اصلاحِ عمل سے مایوس ہو کر معاشرے کو اس کی حالت زبوں میں چھوڑ دینا کم ہمتی کا کام ہے۔ جہاں تک قانون سے علاج ہو سکتا ہے وہ ضرور کرنا چاہیئے لیکن کسی مسلمان کو اسلامی شریعت کے بدلنے کی جرأت یا حماقت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسلامی شریعت کے بنیادی اور قرآنی اصول حکمتِ بالغہ پر مبنی ہیں ان کو سمجھنے اور ان پر خلوص سے عمل کرنیکی ضرورت ہے۔

سوال: کیا یہ شریعت کے منافی ہوگا کہ دوسری شادی کرنے کا آرزومند کسی شریعت کی عدالت میں ایک درخواست دے تاکہ اجازت دینے سے پہلے عدالتِ شریعت کے تمام پہلوؤں کو اس پر واضح کردے اور اگر عدل میں خلل آنے کا امکان ہو تو اسکے سدباب کی کوشش کرے۔ ایسی صورت میں اس کی پہلی بیوی اور بچوں کو بھی عدالت میں حاضر کیا جائے تاکہ وہ بھی اپنا نقطۂ نظر کھول کر پیش کر سکیں؟

جواب: ایسا کرنا شریعت کے ہرگز منافی نہ ہوگا، بلکہ اسلام کے مقاصد کے عین مطابق ہوگا اس کا احتمال ہے کہ محض اتنی سی رکاوٹ اور جواب دہی سے گھبرا کر بعض ناعاقبت اندیش مرد اس سے باز آجائیں۔ دوسری شادی کا امتناعی حکم عدالت صادر نہیں کر سکتی لیکن جہاں تک ہو سکے عدل پر مجبور کر سکتی ہے۔ میں پھر اپنی تجویز کو دہراتا ہوں کہ ایسے معاملات کیلئے شرعی عدالتیں الگ قائم ہونی چاہئیں، ہماری موجودہ عدالتیں جن میں ایک معمولی قضیہ برسوں وکیلوں کی حیلہ گیری، ججوں کے تساہل اور انگریزی قانون کی رکاوٹوں کی وجہ سے اٹکا اور لٹکا رہتا ہے اس کام کو سرعت اور خوبی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتیں ایسی عدالتوں میں عورتوں کو بھی بطور اسیسر یا مشیر شریک کیا جا سکتا ہے۔

سوال: کیا ان خرابیوں کا کوئی سوشل علاج نہیں ہو سکتا؟

جواب: سوشل علاج بہت کچھ کارگر ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ عورتیں ایسی انجمنیں اور برادریاں بنائیں جن میں ہر عورت یہ حلف اٹھائے کہ کوئی عورت یا کوئی بیٹی ایسے شخص کے نکاح میں نہیں دی جائیگی جو معقول وجوہ کے بغیر دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہو۔ جو نامعقول عورت ایسے نامعقول شوہر سے نکاح کرے تمام سوسائٹی اس کا بائیکاٹ کردے۔ جو مرد ناجائز تعددِ ازدواج کو سوسائٹی سے مٹانا چاہتے ہیں، وہ ایسے مرد کا سوشل بائیکاٹ کریں جس نے ایسی حرکت کی ہو۔ کسی ایسے شخص کی حمایت و سرپرستی نہ کریں جو اس فعل کا مرتکب ہوا ہو۔ اگر وہ تاجر ہے تو اس کی دکان سے کوئی شخص سودا نہ خریدے اور کوئی شخص اس سے تاجرانہ کاروبار نہ کرے۔ شاید آپ کہیں کہ ہماری عورتوں اور ہمارے مردوں میں ایسی ہمت اور جرأت کہاں ہے تو میں اس کا یہی جواب دے سکتا ہوں کہ جس معاشرے میں اخلاقی جرأت کا فقدان ہے اس کو کوئی نظامِ حکومت یا نظامِ عدالت درست نہیں کر سکتا رائے عامہ شدت کے ساتھ اگر کسی فعلِ قبیح کے خلاف ہو جائے تو بہت سے انسان اس سے باز آئینگے۔ طلاق کے متعلق قرآنی

احکام یہ ہیں کہ پہلے یہ قصہ اقربا و احباب اور برادری کے سامنے پیش ہو اور وہ معاملے کو سلجھانے کی کوشش کریں، اسکے بعد بھی ایک شخص تلا ہوا ہے تو اس کو روک نہیں سکتے دوسری شادی کے معاملے میں بھی اگر سوسائٹی یا ایک حد تک عدالت کو درمیان میں لایا جائے تو وہ بھی قرآنی منشا کے مطابق ہی ہو گا۔

سوال: اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو اکثر مفکرین اور مصلحین کا خیال ہے کہ حقیقت میں سارا مسئلہ معاشی مسئلہ ہے۔ تمام معاشی وسائل مرد کے ہاتھ میں ہوتے ہیں عورت معاشی لحاظ سے تہی اور بے بس ہوتی ہے، جب تک یہ صورت رہیگی، مرد غالب رہیگا اور عورت مغلوب اور محکوم رہے گی جس کے ہاتھ میں پیسہ ہے وہ اپنی من مانی بات کریگا اور جس کے پاس نہ کچھ ہے اور نہ کچھ حاصل ہونے کی توقع ہے وہ دست نگر ہی رہے گی اور اسے سر تسلیم خم ہی کرنا پڑیگا۔ اگر عورت کے ہاتھ میں بھی کچھ ذرائع معاش ہوں تو اس کی خودداری بہت حد تک قائم رہ سکتی ہے؟

جواب: یہ نکتہ اسلامی بصیرت میں موجود تھا اس لئے اسلام نے اپنی شریعت میں یہ قابل قدر پہلو رکھا کہ عورت کو ورثہ بھی ملے اور وہ اپنا مہر بھی بوقت نکاح حسب حیثیت خود وصول کرے اس کی مالک رہے ازروئے اسلام عورت اپنے مال سے خود مختارانہ تجارت کر سکتی اور منافع حاصل کر سکتی ہے۔ شریعتِ حقہ کو پیش کرنے والے کو یہ معلوم تھا کہ انسان کا وقار وہ مرد ہو یا عورت بہت کچھ معاشی آزادی کے ساتھ وابستہ ہے لیکن عورت کا فطری کام ایک اچھی ماں بننا ہے اس کے جسم اور نفس کی تمام ساخت اس حقیقت کی شاہد ہے۔ عورت کا اصلی وظیفۂ حیات یہ ہے کہ وہ شوہر کے لئے باعث تسکین ہو، صالح اولاد پیدا کرے اور اس کی تربیت میں اپنی قوتوں کا بیشتر حصہ صرف کرے۔ مردوں کی معاشی زندگی میں خواہ مخواہ کی مساوات طلبی سے تمام قسم کے کاروبار میں شرکت اور نہ بھی اس انداز کی کہ عورت کو اپنے فطری فرائض سے بہت کچھ کنارہ کشی کرنی پڑے اچھے نتائج پیدا نہیں کر سکتی لیکن اگر عورت کو علم و ہنر حاصل ہو اور وہ اپنے فرائض زوجیت و امومت سے عہدہ برآ ہونے کے بعد اس سے معاشی فائدہ اٹھا سکے تو یقیناً عورت کا وقار اس سے بڑھ سکتا ہے اور اس کی بے بسی میں کمی آ سکتی ہے۔ علم و ہنر رکھنے والی عورت اپنے نسوانی فرائض بھی بہتر طریقے سے سرانجام دے سکتی ہے اور نامساعد حالات میں معاش بھی پیدا کر سکتی ہے۔ ایسی مثالیں ہر جگہ ملتی ہیں کہ خاوند کی نالائقی کے باوجود عورت نے بال بچوں کی پرورش کا ذمہ سے گران کو سنبھال لیا، یا بیوہ ہو جانے کے بعد کاروبار سے یا کسی مناسب ملازمت سے اپنی عزت کو سنبھالے رکھا اور بچوں کی بھی اچھی تربیت کی۔ لیکن بے ضرورت خواہ مخواہ ہر قسم کی معاشی جد و جہد میں اپنی نسوانی قوتوں کو صرف کرنا اور اپنے نسوانی خواص و فضائل کو کھو بیٹھنا خود عورتوں کے حق میں خسارے کا سودا ہے۔

اپنے نسوانی فرائض میں خلل اندازی کے بغیر حصولِ معاش عورتوں کے لئے ممکن اور مناسب ہو اس کے ذرائع پیدا کرنا نہ صرف جائز بلکہ خاص حالات میں فرض ہو جاتا ہے۔